# صدیق اکبرؓ سے حضرت علیؓ کی بیعت

از

(سعید احمد)

"یہ مضمون اڈیٹر برہان کی جدید ضخیم کتاب کا ایک ٹکڑہ ہے۔ جو ۱۹۵۶ء کی مطبوعات ندوۃ المصنفین میں شامل ہوگی"

وان أسأت فقوّموني - الصدق امانةٌ والكذب خيانةٌ والضعيف منكم قوي عندي حتى أزيح علته ان شاء الله - والقوي فيكم ضعيف حتى آخذ عنه الحق ان شاء الله - لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله الا ضربهم الله بالذل - ولا يشيع قومٌ قط الفاحشة الا عمّهم الله بالبلاء أطيعوني، ما اطعت الله ورسوله فاذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم قوموا الى صلاتكم يرحمكم الله[1]

تم میری مدد کرو۔ اور اگر بُرا کروں تو مجھ کو سیدھا کردو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ چنانچہ میں اس کا شکوہ دور کروں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ کمزور ہے چنانچہ میں انشاء اللہ اس سے حق لوں گا۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردیتی ہے اللہ اس کو ذلت کی مار مارتا ہے اور جس قوم میں شدید قسم کی بُری باتیں عام ہوجاتی ہیں اللہ ان پر مصیبت عام کردیتا ہے جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔ اچھا! اب جاؤ نماز پڑھو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴۸

**متخلفین** سیر و تاریخ کی کتابوں میں بعض ایسی شخصیتوں کے نام ملتے ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس وقت بیعت نہیں کی۔ ان میں سب سے اہم نام نامی اور اسم گرامی حضرت علی مرتضیٰ کا ہے۔ ان کے بعد حضرت زبیر اور سعد بن عبادہ کے نام آتے ہیں۔ چوں کہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے اور اس قدر معمولی نہیں جیسا کہ عام مورخین نے اس کو سمجھ رکھا ہے چنانچہ وہ اس کا سرسری ذکر کرکے آگے بڑھ گئے ہیں اور اس مسئلہ کی صحیح حقیقت معلوم نہ ہونے سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں اس بنا پر ہم ان تینوں بزرگوں میں سے ہر ایک کی نسبت الگ الگ کلام کرتے ہیں۔

**صدیق اکبر سے حضرت علی کی بیعت** حضرت علی کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ آپ نے چھ ماہ یعنی حضرت فاطمہ کی وفات تک حضرت ابوبکر سے بیعت نہیں کی اور ناراض ہوئے گھر میں بیٹھے رہے آخر جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے اور آپ کے ساتھ جو دوسرے بنو ہاشم تھے انھوں نے حضرت ابوبکر کو حضرت علی کے مکان پر بلایا۔ یہاں دونوں میں گفتگو ہوئی شکوہ شکایت ہوئے اور آخر جب صلح صفائی ہو گئی تو حضرت علی نے بیعت کی جس سے سب مسلمانوں کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ مورخین اور عام ارباب سیر کی اس رائے کا منشا دراصل صحیح بخاری کی روایت ذیل ہے:

عن عائشۃ ان فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت الی ابی بکر تسئلہ میراثھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما افاء اللہ علیہ بالمدینۃ وفدک وما بقی من خمس خیبر فقال ابوبکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا جس میں انھوں نے ان چیزوں میں جو اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں بہ طور فے عطا فرمایا تھا اور فدک میں اور خیبر کے خمس میں جو کچھ بچا تھا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ جو کچھ

هذا المال وانی والله لا اغیر شیئا من صدقة رسول الله صلی الله علیه وسلم عن حالها التی کان علیها فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولاعملن فیها بما عمل به رسول الله صلی الله علیه وسلم فابی ابو بکر ان یدفع الی فاطمة منها شیئا فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذالک فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت وعاشت بعد النبی صلی الله علیه وسلم ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلا ولم یوذن بها ابا بکر وصلی علیها وکان لعلی وجه حیاة فاطمة فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر ومبایعته ولم یکن یبایع تلک الاشهر فارسل الی ابی بکر ان ائتنا ولا یاتنا احد معک کراهیة لمحضر عمر فقال عمر لا والله

ہم چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا اور آل محمد بھی اُسی میں سے کھائیں گے قسم اللہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ آپ کی زندگی میں جس حالت پر تھا میں اس میں کوئی تغیر نہیں کروں گا اور میں اس سے متعلق وہی عمل کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یہ کہہ کر ابو بکر نے فاطمہ کو ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز کے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر فاطمہ ابو بکر سے ناراض ہو گئیں۔ انھوں نے ان کو چھوڑ دیا اور وفات پانے تک ان سے کلام نہیں کیا۔ فاطمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر علی نے رات ہی کو انھیں دفن کر دیا اور ابو بکر کو اس کی خبر نہیں کی اور علی نے ان کی نماز پڑھی۔ فاطمہ کی زندگی میں علی کا بڑا وقار تھا لیکن جب فاطمہ کی وفات ہو گئی تو علی نے محسوس کیا کہ اب لوگوں کے دلوں میں وہ پہلی سی بات نہیں رہی ہے اس لئے انھوں نے ابو بکر سے صلح کر لینی اور ان سے بیعت کرنی چاہی اور انھوں نے ان مہینوں میں بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ علی نے ابو بکر کو گھر بلایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ آپ کے ساتھ کوئی اور نہ آئے کیوں کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے

لا ندخل عليهم وحدك فقال ابوبكر
وما عسيتهم ان يفعلوه بي والله
لآتينهم فدخل عليهم ابوبكر فتشهد
علي فقال انا قد عرفنا فضلك وما
اعطاك الله ولم ننفس عليك
خيراً ساقه الله اليك ولكنك
استبددت علينا بالامر وكنا نرى
لقرابتنا من رسول الله صلى الله
عليه وسلم نصيبا حتى فاضت
عينا ابي بكر فلما تكلم ابوبكر
قال والذي نفسي بيده لقرابة
رسول الله صلى الله عليه وسلم
احب الي ان اصل من قرابتي
واما الذي شجر بيني وبينكم من
هذه الاموال فاني لم آلُ فيها
عن الخير ولم اترك امراً رأيت
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يصنعه فيها الا صنعته فقال علي
لابي بكر موعدك العشية للبيعة
فلما صلى ابوبكر الظهر رقي على
المنبر فتشهد وذكر شان علیؓ

تھے کہ ان کے ساتھ عمر آئیں۔ عمر نے ابوبکر کو مشورہ
دیا کہ وہ تنہا نہ جائیں۔ ابوبکر نے کہا کہ مجھ کو ان
(بنو ہاشم) سے یہ امید نہیں کہ وہ میرے ساتھ ایسا
ویسا معاملہ کریں گے۔ بخدا میں ان کے پاس ضرور
جاؤں گا۔ چنانچہ ابوبکر ان کے پاس آئے تو علی نے
کلمۂ تشہد پڑھا اور پھر کہا کہ ہم آپ کے فضل کو اور جو
کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے اس کو پہچانتے ہیں اور جو
خیر (خلافت) اللہ نے آپ کو بخشا ہے ہم اس میں
آپ کی ریس نہیں کرتے لیکن ہاں آپ نے خلافت
کا معاملہ خود ہی طے کر لیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم بھی اس میں
اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ ابوبکر یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے
پھر جب انھوں نے بولنا شروع کیا تو کہا "قسم ہے
اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھ کو اس
سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنے اعزہ کے ساتھ
صلہ رحمی کروں رہا وہ اختلاف جو میرے اور تمہارے
درمیان ان اموال کے بارہ میں رونما ہو گیا ہے تو
میں نے خیر کے کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے
اور میں نے کوئی ایسا کام جس کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کیا ہو اس کو کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ یہ سن کر

وتخلفه عن البيعة وعذره بالذي
اعتذر اليه ثم استغفر وتشهد
علي فعظم حق ابي بكر وحدث انه
لم يحمله علي الذي صنع نفاسةً
علي ابي بكرٍ ولا انكاراً للذي
فضله الله به ولكنا كنا نرى
لنا في هذا الامر نصيباً واستبد
علينا فوجدنا في انفسنا فسرّ
بذلك المسلمون وقالوا اصبت
وكان المسلمون الى علي قريباً حين
راجع الامر بالمعروف[1]

علی نے ابوبکر سے کہا کہ اچھا! آپ بیعت کے لئے
شب میں آیئے۔ پھر جب ابوبکر نے ظہر کی نماز ادا
کرلی تو انھوں نے کلمہ تشہد پڑھا اور علی کا حال اور
بیعت سے ان کی علیحدگی اور اس کا جو عذر انھوں نے
بیان کیا تھا وہ سب بیان کیا پھر استغفار پڑھا اس
کے بعد علی نے تشہد پڑھا۔ ابوبکر کے حق کی بڑائی
بیان کی اور انھوں نے کہا کہ میں نے جو کچھ کیا تھا اس
کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ابوبکر پر حسد کرتا تھا اور
اللہ نے ان پر جو انعامات کئے ہیں میں ان کا منکر تھا
لیکن بات یہ ہے کہ ہم لوگ بھی خلافت کے معاملہ میں
اپنا کچھ حصہ سمجھتے تھے ابوبکر نے اس میں ہماری بات
بھی نہیں پوچھی اس لئے ہمارے دل میں اس کا ملال
تھا یہ سن کر سب مسلمان بہت خوش ہوئے اور انھوں
نے کہا "آپ نے درست فرمایا" اور مسلمان علی
سے قریب ہو گئے جب وہ امر بالمعروف کی طرف
لوٹ آئے۔

اس کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی امام زہری سے روایت ہے کہ کسی شخص نے ان سے بیان کیا کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے حضرت فاطمہ کی وفات کے وقت تک بیعت نہیں کی تو انھوں نے کہا کہ نہیں! حضرت علی ہی نے نہیں بلکہ بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔ لیکن حافظ ابن حجر نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیوں کہ زہری نے اس کی سند نہیں بیان کی[2] بیہقی نے

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۹ و ۶۰۸ باب غزوۂ خیبر [2] فتح الباری جلد ۷ ص ۳۷۹

اس روایت کی جو وجہ ضعف بیان کی ہے اس کے علاوہ اس روایت کا یہ جز بھی تمام روایات کے خلاف ہے کہ بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی۔

اب رہ گئی صحیح بخاری کی روایت تو اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت علی کا چھ ماہ تک بیعت نہ کرنا ایک ایسی بات ہے جو حضرت علی کی شان سے بھی بعید ہے اور حضرت ابو بکر کا اتنے دنوں تک اس پر صبر کرنا خود حضرت ابو بکر سے مستبعد ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابو بکر کو صحابہ کرام میں جو بلند مرتبہ و مقام حاصل تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر جو خصوصی اعتماد و اعتبار تھا اور جس کی وجہ سے آپ نے صراحۃً اشارۃً (جس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت ابو بکر کی خلافت کی طرف ایما فرمایا تھا حضرت علی اس سے ناواقف نہیں ہو سکتے تھے، علاوہ بریں خود حضرت علی درویشی و بے نفسی اور ولایت و انابتِ الی اللہ کے جس مرتبۂ اعلیٰ و ارفع پر متمکن تھے وہ بھی کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں ہے اس بنا پر یہ قطعی ناممکن ہے کہ حضرت علی حضرت ابو بکر کو مستحقِ خلافت یا خلیفۂ برحق نہ سمجھتے ہوں۔ چنانچہ صحیح بخاری کی اسی روایت میں حضرت علی صاف لفظوں میں حضرت ابو بکر کے فضائل و مناقب اور ان کے استحقاقِ خلافت کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ بھی بصراحت فرماتے ہیں کہ ان کو خلافت کے معاملہ میں حضرت ابو بکر کے ساتھ نہ کچھ اختلاف تھا اور نہ وہ اس پر ان کے ساتھ کوئی مناقشت رکھتے تھے۔

یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اپنی پرانی عصبیت کی بنا پر اس وقت غیر ذمہ دارانہ گفتگو کر کے حضرت علی کو مشتعل کرنا بھی چاہا تو آپ نے سختی کے ساتھ ان کو ڈانٹ دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو سفیان نے جو حضرت امیر معاویہ کے والد تھے حضرت علی کو عار دلائی اور ان کو حضرت ابو بکر کی مخالفت پر برانگیختہ کرنے کی غرض سے کہا کہ "یہ دیکھیے! قریش میں جو گھٹیا درجہ کا قبیلہ ہے خلافت اس میں چلی گئی۔ خدا کی قسم اگر آپ اس کے خواہاں ہوں تو میں مدینہ کو سوار اور پیادہ فوج سے بھر دوں۔ حضرت علی یہ سنتے ہی برہم ہو گئے اور بگڑ کر فرمایا "اے ابو سفیان تم اسلام اور مسلمانوں کے پرانے دشمن ہو۔ تم ایسی باتوں سے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ ہم نے ابو بکر کو خلافت کا اہل پایا ہے[1]۔ حضرت ابو بکر تو ابو بکر تھے

---

[1] ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۴۹

حضرت علی کی شان تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے مقابلہ میں بھی اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور کبھی جمہور امت سے اس معاملہ میں الگ نہیں ہوئے چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت پر مسلمانوں میں اختلاف نہیں ہوا لیکن آپ کی خلافت پر وہ متفق نہیں ہیں تو حضرت علی نے جواب دیا کہ ابوبکر و عمر میرے جیسے مسلمانوں پر والی تھے اور میں تم جیسے مسلمانوں کا والی ہوں"[1]

ان بیانات سے صاف ظاہر اور ثابت ہے کہ حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں تھا اور وہ اس معاملہ میں ان کے مخالف نہیں تھے البتہ ہاں جیساکہ بخاری کی اسی روایت میں اور دوسری روایات میں ہے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی طرف سے ملال ضرور تھا۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عین اس وقت جب کہ حضرت علی اور دوسرے آل بیت نبوی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے حضرت ابوبکر سقیفۂ بنو ساعدہ کی خبر سنتے ہی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ساتھ لے وہاں پہنچ گئے اور خلافت کا معاملہ طے کر آئے اور حضرت علی سے اس بارہ میں کوئی مشاورت نہیں کی۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر کی طرف سے تکدرِ خاطر تھا جو بربنائے بشریت پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت علی کے ملال کی یہ دونوں وجہیں محض ذاتی اور شخصی تھیں اس بنا پر ان کا اثر یہ تو ہوسکتا تھا کہ حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے تعلق باہمی میں وہ شگفتگی نہ ہو جو معاشرتی زندگی میں ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن چونکہ خلافت ایک قومی اور اجتماعی مسئلہ تھا اس بنا پر اس ذاتی رنجش کا نتیجہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا تھا کہ حضرت علی سرے سے بیعت ہی نہ کرتے اور تفرق بین المسلمین کا سبب بنتے۔ حضرت علی کی جمہوریت پسندی اور رائے عامہ کے احترام کی کیفیت تو یہ تھی کہ جب حضرت ابوبکر نے اپنے مرض الموت میں حضرت عمر کا نام اپنی جانشینی کے لئے تجویز کیا تو اگرچہ حضرت علی ذاتی طور پر اس سے متفق نہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی اس رائے کا اظہار کر بھی دیا تھا۔ لیکن آخر جب حضرت عمر نامزد ہو ہی گئے تو پھر کوئی مخالفت نہیں کی اور سب مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے بھی بیعت

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۶

کر لی۔ پس جب ان کی یہ فطرت تھی تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ بیعت عامہ ہو جانے کے باوجود حضرت علی سب مسلمانوں سے الگ رہتے اور بیعت نہ کرتے۔

ماوردی اور اشعری نے حضرت علی کے تخلف عن البیعۃ کا ایک عذر یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ سے فرداً فرداً ہر مسلمان کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہزاروں مسلمان بیعت کر ہی چکے تھے اس لئے اگر ایک حضرت علی نے بیعت نہیں کی تو اس کو مخالفت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔[1]

لیکن ہمارے نزدیک یہ عذر صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت علی اپنی ذات سے تنہا ایک شخص نہیں تھے بلکہ پوری ایک جماعت۔ ایک قوم اور ایک گروہ تھے ان کا بیعت نہ کرنا اسلامی وحدت کے لئے عظیم ترین رخنہ کا باعث ہو سکتا تھا اور اپنی اس حیثیت سے یقیناً وہ خود بھی بے خبر نہیں تھے۔[2]

صحیح بخاری کی روایت پر ہم نے اشکال کی جو تقریر سطور بالا میں کی ہے وہ درایت کے اعتبار سے تھی روایتی حیثیت سے تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اس روایت کے مقابلہ میں چند ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے چھ مہینے تک بیعت نہ کرنے کی تردید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم وہ روایت ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ امام بخاری اور امام مسلم نے اس روایت کو صحیحین میں درج نہیں کیا ہے لیکن ہے ان دونوں کی شرط پر ہے اور اس لئے صحیح ہے، روایت یہ ہے:-

| | |
|---|---|
| ان عبد الرحمن بن عوف کان مع عمر | عبد الرحمن بن عوف بھی عمر بن الخطاب کے ساتھ |
| بن الخطاب رضی اللہ عنہ وان | تھے اور محمد بن مسلمہ نے زبیر کی تلوار توڑ دی تھی پھر |
| محمد بن مسلمۃ کسر سیف الزبیر | ابو بکر کھڑے ہوئے انھوں نے خطبہ دیا اور معذرت |
| ثم قام ابو بکر فخطب الناس | چاہتے ہوئے کہا، اللہ کی قسم مجھ کو امارت کا لالچ |

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۸ و فیض الباری ج ۴ ص ۲۴۲

[2] جلال الدین سیوطی نے اتقان میں ایک روایت نقل کی ہے جس کی انھوں نے تصحیح بھی کی ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں جب تک قرآن جمع نہیں کر لوں گا گھر سے نہیں نکلوں گا۔ بعض حضرات نے اس جمع قرآن کو حضرت علی کی طرف سے بیعت نہ کرنے کا عذر بتایا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ کوئی عذر ہے بھی تو عذر بارد ہے۔ چند منٹ کے لئے بیعت کے واسطے آ جانا جمع قرآن کے کام میں کیوں کر خلل انداز ہو سکتا تھا۔

واعتذر الیہم وقال واللہ ماکنت حریصا علی الامارۃ یوما ولا لیلۃ قط ولا کنت فیہا راغبا ولا سالتہا اللہ فی سر وعلانیۃ ولکنی اشفقت من الفتنۃ ومالی فی الامارۃ من راحۃ ولکن قلدت امرا عظیما مالی بہ من طاقۃ ولا ید الا بتقویۃ اللہ عزوجل ولوددت ان اقوی الناس علیہا مکانی الیوم فقبل المہاجرون منہ ما قال وما اعتذر بہ - قال علی والزبیر ما غضبنا الا لا نا قد اخرنا عن المشاورۃ وانا نری ابابکر احق الناس بہا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعلم بشرفہ وکبرہ ولقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ بالناس وھو حی (المستدرک ج ۳ ص ۶۶)

کسی دن یا کسی رات بالکل بھی نہیں تھا اور نہ مجھ کو اس کی کوئی رغبت تھی اور نہ میں نے پوشیدہ طور پر یا علانیہ اس کا اللہ سے سوال کیا تھا لیکن ہاں میں فتنہ سے ڈرتا تھا اور امارت میں میرے لئے کوئی راحت نہیں ہے - بلکہ میرے گلے میں ایک اتنے بڑے کام کا طوق ڈال دیا گیا ہے جس کی بجز توفیق الٰہی کے مجھ میں طاقت نہیں ہے - میں چاہتا تھا کہ کوئی مجھ سے زیادہ قوی آدمی آج میری جگہ پر ہوتا - ابوبکر نے جو کچھ کہا تھا مہاجرین نے اس کو قبول کر لیا - علی رضی اللہ عنہ اور زبیر نے کہا، ہم کو صرف اس بات پر غصہ تھا کہ مشورہ کے وقت ہمیں پس پشت ڈال دیا گیا - ورنہ ہم بے شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امارت کا سب سے زیادہ مستحق ابوبکر ہی کو سمجھتے تھے - وہ صاحب غار اور ثانی اثنین ہیں اور ہم ان کے شرف اور عظمت کو جانتے ہیں - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھانے کا حکم اپنی حیات میں ہی دیا تھا۔

اب ایک اور پہلو سے غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اگر بالفرض حضرت علی بیعت نہ کرتے تو حضرت ابوبکر

ان معاملات میں جس قدر سخت تھے اس کے پیش نظر ان سے یہ بالکل بعید بات تھی کہ وہ صبر کر کے خاموش بیٹھے رہتے اور فتنہ کے اس دروازہ کو کھلا چھوڑ دیتے۔ چنانچہ اس ذیل میں ہم ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جس سے اس بیعت کے معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے طرز عمل پر ایک ساتھ روشنی پڑتی ہے۔ یہ روایت حضرت ابو سعید الخدری کی ہے سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعہ کے ابتدائی اجزاء بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں

فلما قعد ابو بكرٍ على المنبر نظر فى وجوه القوم فلم ير عليا فسأل عنه فقام ناسٌ من الانصار فاتوا به فقال ابو بكر ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وختنه اردت ان تشق عصا المسلمين فقال لا تثريب يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعه ....
هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه[1]

جب ابو بکر منبر پر بیٹھ گئے تو انھوں نے لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور جب علی کو نہیں دیکھا تو اُن کی نسبت پوچھا کچھ انصاری کھڑے ہوئے اور جا کر علی کو لے آئے اب ابو بکر نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد بھی ہیں کیا آپ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ علی نے کہا اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملامت نہ کیجئے اس کے بعد علی نے ابو بکر سے بیعت کر لی۔
امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط شیخین پر ہے اور انھوں نے صحیحین میں اس کو درج نہیں کیا ہے۔

ابن سعد میں حضرت حسن سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے فرمایا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم نے خلافت کے معاملہ میں غور و خوض کیا۔ اور ہم نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کو نماز میں آگے کر دیا تھا۔ اس بناء پر ہم اپنی دنیا کے واسطے اس شخص سے راضی ہو گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کے لئے راضی ہوئے تھے۔ اب ہم نے بھی ابو بکر

[1] المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۷۶

کو آگے کر دیا یعنی بالاتفاق انھیں خلیفہ بنا دیا۔[۱]

اب ان تمام روایات کو سامنے رکھو ان سب پر یک جائی طور پر نگاہ ڈالو۔ حضرت ابو بکر اور حضرت علی دونوں کی جلالتِ شان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا قرب و اختصاص پھر نفس خلافت کی اہمیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس وقت تبلیغ و اشاعت اور استحکام اسلام کے لئے باہمی اتفاق و اتحاد کی سخت ضرورت۔ ان سب کو بھی پیش نظر رکھو اور بتاؤ کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ صاف نظر آتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابو بکر سے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ بیعت کی ہے۔ پہلی بیعت بیعت خلافت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے ہی دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ کے موقع پر کی گئی اور دوسری بیعت بیعت رضا ہے جو آپ نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد کی ہے اس بیعت کا مقصد آپس میں صلح صفائی کرنا اور باہمی تعلقات کو پھر از سر نو خوشگوار کر لینا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر حضرت ابو سعید الخدری کی روایت جو مستدرک کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے اور جس سے حضرت علی کا پہلے ہی موقع پر بیعت کر لینا ثابت ہوتا ہے حافظ صاحب موصوف اس کو اصح بتاتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں

وجمع غیرہ بانہ بایعہ بیعۃً ثانیۃً موکدۃً للاولی لازالۃ ما کان وقع بسبب المیراث کما تقدم وعلی ھذا فقول الزھری لم یبایعہ علی فی تلک الایام علی ارادۃ الملازمۃ لہ والحضور عندہ وما اشبہ ذالک فان فی انقطاع مثلہ عن مثلہ ما یوھم من لا یعرف

اور دوسرے لوگوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابو بکر سے پہلی بیعت کو موکد کرنے کی غرض سے دوسری بیعت کی تھی۔ تاکہ میراث کی وجہ سے جو تکدر پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہے۔ اس قول کی بنا پر زہری جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت علی حضرت ابو بکر کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے پاس آتے جاتے

[۱] ابن سعد تذکرہ حضرت ابو بکر

باطن الامر انه بسبب عدم
الرضا بخلافته فاطلق من
اطلق ذالك وبسبب ذالك
اظهر علی المبایعة التی بعد موت
فاطمة علیها السلام لازالة
هذه الشبهة [۱]

نہیں تھے۔ کیوں کہ جو شخص حقیقت حال سے واقف
نہیں تھا وہ حضرت علی جیسے شخص کو حضرت
ابوبکر جیسی شخصیت سے کنارہ کش دیکھ کر یہی
سمجھتا تھا کہ حضرت علی کا یہ طرز عمل اس بنا پر ہے
کہ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے راضی نہیں
ہیں۔ پس جس نے بیعت کی نفی کی ہے اسی وہم
اور غلط فہمی کی وجہ سے کی ہے اور حضرت فاطمہ کی
وفات کے بعد حضرت علی نے جو بیعت کی تھی وہ
درحقیقت اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کی تھی

تاریخ اسلام کے نہایت مشہور محقق اور نقاد حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ حضرت ابو سعید الخدری کی مذکورہ بالا روایت اور اسی مضمون کی دوسری روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وهذا اللائق بعلی رضی الله عنه
والذی یدل علیه الآثار من
شهوده معه الصلوات وخروجه
معه الی ذی القصة بعد موته
رسول الله صلی الله علیه وسلم
کما سنورده وبذله له النصیحة
والمشورة بین یدیه [۲]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شایان شان بھی
تھا اور اس پر دوسرے آثار بھی دلالت کرتے
ہیں۔ مثلاً حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے ساتھ
نمازوں میں شریک ہونا۔ ذوالقصہ کے معرکہ میں
جس کا بیان آگے آئے گا اور جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد پیش آیا تھا حضرت
علی کا حضرت ابوبکر کے ساتھ رہنا اور ان کو مشورہ
دینا اور نصیحت کرنا۔

---

[۱] فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۹ [۲] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۰۲

اس کے بعد حافظ صاحب موصوف حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد بیعت کرنے کی روایت کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| واما ما یاتی من مبایعتہ ایاہ بعد موت فاطمۃ وقد ماتت بعد ابیہا علیہ السلام بستۃ اشہر فذالک محمول علی انہا بیعۃ ثانیۃ ازالت ما کان قد وقع من وحشۃ بسبب الکلام فی المیراث[1] | اور یہی وہ روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد بیعت کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دوسری بیعت تھی جس نے اس باہمی تکدر اور شکر رنجی کا ازالہ کر دیا جو میراث کے بارہ میں گفتگو سے پیدا ہو گئی تھی۔ |

حضرت علی کا تکدر طبع جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے اپنی جگہ مسلم! لیکن اس کا اثر یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ خالص دین کے معاملہ میں حضرت علی کی طرف سے کسی طرح کی مداہنت صادر ہوتی امام قرطبی فرماتے ہیں "حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے درمیان جو شکر رنجی ہوئی اور بعد میں حضرت علی نے اس کے لئے جو معذرت خواہی کی جو شخص بھی اس پوری داستان پر غور و خوض کرے گا اس کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہے گا کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے فضل و کمال کا اعتراف کرتا تھا اور دونوں کے دل میں ایک دوسرے کی محبت و احترام موجود تھا۔ اگرچہ بشری طبیعت کبھی کبھی غالب آجاتی تھی لیکن دیانت اس کو رد کر دیتی تھی۔"[2]

جہاں تک حضرت عائشہ کی روایت کا تعلق ہے جو صحیح بخاری میں ہے یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عائشہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب کہ حضرت فاطمہ نے میراث کا مطالبہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے یا بیعت عامہ کے دن نہیں ہوا ہو گا بلکہ چند روز کے بعد جب کہ حضرت ابوبکر بحیثیت خلیفۂ اول کے معاملات و امورِ خلافت کو باقاعدہ انجام دینے لگے ہوں گے اس بنا پر عین بیعت عامہ کے دن

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۰۲　[2] بحوالہ فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۹

حضرت فاطمہ کی رنجش کے باعث حضرت علی کا بیعت سے الگ رہنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کیوں کہ وجہ رنجش اب تک پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے ساتھ گفتگو کے وقت اپنی رنجش کی وجہ میراث کے معاملہ کو نہیں بتاتے بلکہ اُس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق خصوصی کے باعث اس کو اپنا حق سمجھتے تھے کہ خلافت کا معاملہ طے کرتے وقت حضرت ابوبکر حضرت علی کو بھی اپنے اعتماد میں لیتے اور جس طرح انھوں نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ کو اس موقع پر اپنے ساتھ رکھا تھا حضرت علی کو بھی ساتھ رکھتے اور ان کی غیر موجودگی میں بالاہی بالا سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کا مرحلہ طے نہ کر آتے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ حضرت علی کی کشیدگی کی اصل وجہ حضرت فاطمہ کا ہی تکدر طبع تھا۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے میراث کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پڑھ کر سنا دیا تو اب حضرت علی کے لئے گنجائش نہ تھی کہ وہ میراث کے معاملہ کو اپنی رنجش کا سبب قرار دیں اس بنا پر جب صلح صفائی کا وقت آیا تو حضرت علی نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ صرف امر خلافت کے بارہ میں ان کی بات نہ پوچھنے کا گلہ کیا یہ وہی بات ہے جس کو ارباب معانی کی زبان میں نکتہ بعد الوقوع کہتے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھو کہ حضرت عائشہ حضرت علی کے بیعت نہ کرنے کو "وما کان بایعہ" وغیرہ صاف لفظوں سے بیان نہیں فرماتیں جیسا کہ امام زھری کی روایت میں ہے۔ بلکہ "ولم یکن یبایع تلک الاشھر" جیسے غیر واضح لفظوں سے بیان فرماتی ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ در اصل فرمانا یہ چاہتی ہیں کہ حضرت علی نے بیعت تو کرلی تھی لیکن چوں کہ اس کے بعد ہی رنجش پیدا ہوگئی اور اس کی وجہ سے وہ کنارہ کش ہو کر بیٹھ گئے اس لئے ان کا بیعت کرنا نہ کرنا دونوں برابر تھے۔ انھوں نے رسمی طور پر اگرچہ بیعت کرلی تھی مگر عملاً ایسا تھا کہ گویا بیعت کی ہی نہیں تھی۔

ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے اُس کی تائید طبری کی مندرجۂ ذیل دو روایتوں سے بھی ہوتی ہے

قال عمرو بن حریث لسعید بن زید     عمرو بن حریث نے سعید بن زید سے پوچھا کہ کیا آپ

اشہدت وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فمتی بویع ابو بکر قال یوم مات رسول اللہ کرھوا ان یبقوا بعض یوم ولیسوا فی جماعۃ قال فخالف علیہ احد قال لا الا مرتد اومن قد کاد ان یرتد لولا ان اللہ عز وجل ینقذھم من الانصار قال فھل قعد احد من المھاجرین قال لا تتابع المھاجرون علی بیعتہ من غیر ان ید عوھم[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا ہاں پھر پوچھا کہ ابو بکر سے بیعت کب کی گئی؟ تو بولے کہ جس دن آنحضرت کی وفات ہوئی اسی دن۔ صحابہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ دن کا ایک حصہ بھی اس طرح گذاریں کہ وہ جماعت کے ساتھ منسلک نہ ہوں اب عمرو بن حریث نے پوچھا کہ کیا ابو بکر کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا کہ نہیں البتہ مرتد نے یا انصار میں سے اس شخص نے مخالفت کی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بچا نہ لیتا۔ اس کے بعد عمرو بن حریث نے دریافت کیا کہ کیا مہاجرین میں سے بھی کسی نے بیعت سے پہلو تہی کی تھی۔ سعید بن زید نے کہا کہ نہیں۔ مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

اس روایت میں تو عام مہاجرین کی بیعت کا تذکرہ ہے جن میں خود حضرت علی بھی شامل تھے لیکن جہاں تک خاص حضرت علی کی ذات کا تعلق ہے اس کا ذکر اس روایت میں ہے اور اس قدر وضاحت وصراحت کے ساتھ کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

حدثنا عبید اللہ بن سعید قال اخبرنی عمی قال اخبرنی سیف عن عبد العزیز بن سیاہ عن حبیب بن ابی

حبیب بن ابی ثابت سے مروی ہے کہ علی اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ ابو بکر بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ علی یہ

---

[1] طبری ج ۲ ص ۴۴۷

ثابت قال کان علی فی بیتہ اذ اُتی
فقیل لہ قد جلس ابوبکر للبیعۃ
فخرج فی قمیص ما علیہ ازار و لا
رداء عجلا کراھیۃ ان یبطئ عنھا
حتی بایعہ ثم جلس الیہ وبعث
الی ثوبہ فاتاہ فتجللہ ولزم مجلسہ[1]

سنتے ہی صرف قمیص پہنے ہی باہر نکل آئے اُس وقت ان کے بدن پر نہ چادر تھی اور نہ تہبند۔ ان کو جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ابوبکر سے بیعت لی پھر اُن کے پاس جاکر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے منگوائے جب وہ آگئے تو انھوں نے کپڑے پہنے اور ابوبکر کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

[1] طبری ج ۲ ص ۴۴۷

# ماہنامہ صبح صادق کا قرآن نمبر

(جو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکا ہے)

قرآن کی دعوت، اور اس کے مطالبات، اس کی تاثیر اور انقلاب انگیزی اس قسم کے تمام موضوعات پر بلند پایہ اور اعلیٰ قدر و قیمت کے مضامین کا ایک بیش بہا ذخیرہ۔

یہ نمبر علوم قرآن، تاریخ قرآن، فضائل قرآن، آداب تعلیم و تلاوت قرآن کا ایک قابل قدر خزانہ ہے۔ قرآن کی تدوین کب اور کس طرح ہوئی قرآن فہمی کے شرائط و اصول کیا ہیں؟ قرآن کی خدمت کن کن زبانوں میں ہوئی اپنے تمام ضروری اور مفید سوالات کے جواب آپ کو ربط و تفصیل کے ساتھ اس خصوصی نمبر میں ملیں گے اور اکابر مفسرین کے دلچسپ اور سبق آموز حالات اور ان کی تفسیری خدمات آپ اس ضخیم نمبر میں ایک جگہ پڑھ سکیں گے۔

ارکان ادارہ صبح صادق کے علاوہ جن جلیل القدر علماء اور ماہرین علوم قرآنی نے اس نمبر میں قرآن کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبد الماجد دریاآبادی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا عبد السلام قدوائی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین، مولانا شاہ معین الدین، مولانا محمد اسحاق۔

چندہ سالانہ چار روپیہ ———— قرآن نمبر کی قیمت ڈیڑھ روپیہ

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:- دفتر رسالہ صبح صادق مکارم نگر لکھنؤ۔

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:- جناب شجاعت علی صاحب نمبر ۴۴ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ میکلوڈ روڈ کراچی۔